ڈاکٹر حافظ محمد زبیر[1]

اجتماعی اجتہاد کا مفہوم: ایک ارتقائی مطالعہ

Abstract

The term collective Ijtihād is relatively a new term but the idea however existed in the past. The term refers to a collective effort of a group of scholars in determining the ruling of an issue from the depths and vastness of Qur'ān and Sunnah. In contemporary times, there exist numerous committees of academics worldwide that issue verdicts (Fatāwā) on modern issues; such proceedings are included in the definition of Collective Ijtihād. Some of these committees are governed by governmental institutions while others work independently.

Some contemporary scholars have tried to define the term Collective Ijtihād in a more comprehensive and precise way that resulted in the inscription of approximately ten definitions with certain variations. This treatise includes an analysis and comparative study of all these definitions along with an appropriate demarcation of the term and words that demonstrate its boundaries.

اگرچہ 'اجتماعی اجتہاد' کا عمل تو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے دور میں ہی شروع ہو چکا تھا، لیکن اس فعل کو باقاعدہ کسی ادارے کی صورت دینے کا تصور بیسویں صدی ہجری میں ہی صحیح معنوں میں سامنے آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اجتماعی اجتہاد کی جتنی بھی تعریفیں بیان کی گئی ہے، وہ تقریباً بیسویں صدی ہجری کے آخری ربع ہی میں سامنے آئی ہیں اور تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔ اجتماعی اجتہاد کا عمل اس وقت امت مسلمہ کے ایک بڑے

1 اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف ہیومینٹیز، کامساٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور

حصے میں مختلف اداروں، تنظیموں، جماعتوں اور حکومتوں کی سرپرستی میں جاری ہے اور آئے روز اس میں تیزی آ رہی ہے، لیکن تاحال اس عمل کی کوئی ایسی جامع مانع تعریف بیان نہیں ہوئی ہے کہ جس پر سب علماء کا اتفاق ہو۔ ہمارے خیال میں اس میں ابھی کچھ وقت لگے گا، کیونکہ جب بھی کوئی نئی اصطلاح وضع ہوتی ہے تو اس کی قبولیت عامہ میں کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ اجتماعی اجتہاد پر شائع شدہ مختلف کتابوں، مقالہ جات، رسائل اور مضامین میں اس کی کئی ایک تعاریف بیان کی گئی ہیں۔ ان تعریفوں میں بظاہر اختلاف بھی ہے لیکن یہ تنوع کا اختلاف ہے نہ کہ تضاد کا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اجتماعی اجتہاد کا عمل اس وقت ساری اسلامی دنیا میں جاری ہے، لہٰذا عملاً اس کے تصورات میں اختلاف بہت کم ہے۔ لیکن جب علماء اجتماعی اجتہاد کے اس جاری و ساری عمل کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں تو اس کی تعریف میں ان کا لفظی اختلاف نمایاں ہو جاتا ہے۔ ذیل میں ہم اجتماعی اجتہاد کی چند ایک تعریفوں کو موضوعِ بحث بنا کر اس پہلو سے ان کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کریں گے کہ وہ تعاریف اجتماعی اجتہاد کے جاری معاصر عمل کا احاطہ کر رہی ہیں یا نہیں؟ اور کونسی تعریف ایسی ہے جو اجتماعی اجتہاد کے عمل اور تصور کو جامعیت اور مانعیت کے ساتھ بیان کر رہی ہے۔

'اجتماعی اجتہاد' کی لغوی تعریف

'اجتماعی اجتہاد' ایک مرکب لفظ ہے جو دو اسموں سے مل کر بنا ہے۔ پہلا اسم 'اجتماعی' ہے اور دوسرا 'اجتہاد'۔ 'اجتماعی' کا لفظ باب افتعال سے بنا ہے اور اس کا مادہ "ج۔م۔ع" ہے۔ ثلاثی مجرد میں یہ لفظ باب 'فتح' سے آتا ہے اور اس کا مصدر عین کلمہ کے سکون کے ساتھ 'جَمْعاً' مستعمل ہے۔ اس مادے سے باب افتعال کا مصدر 'اجتماع' بنے گا اور اسی سے لفظ 'اجتماعی' اسمِ منسوب ہے۔ عربی زبان میں 'اجتماعی' کی بجائے 'جماعی' کا لفظ زیادہ مستعمل ہے، یعنی "اجتماعی اجتہاد" کو عربی میں "الاجتہاد الجماعی" کہتے ہیں۔ علامہ ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 711ھ) لکھتے ہیں:

> "'جمع' باب 'فتح' سے جمع کرنے کے معنی میں ہے اور اس کا مصدر 'جمعاً' ہے... اسی طرح 'مجموع' سے مراد وہ شے ہے جو اِدھر اُدھر سے جمع کی گئی ہو اگرچہ وہ شیء واحد نہ بھی ہو... اسی طرح "جَمْعٌ" لوگوں کی جماعت کو بھی کہتے ہیں اور 'جمع' اہل عرب کے قول "جمعت الشیء" سے مصدر ہے۔ علاوہ ازیں "جَمْعٌ" سے جمع ہونے والے لوگ بھی مراد ہوتے ہیں۔ "جَمْعٌ" کی جمع 'جموع' ہے۔ جماعت، 'جمیع'، 'مجمع' اور 'مجمعۃ' وغیرہ کے الفاظ "جَمْعٌ" کی جگہ استعمال ہو جاتے ہیں... "مجمع" سے مراد لوگوں کی جماعت ہے یا پھر وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہوں... "اَمر جامع" سے مراد ایسا کام ہے جو لوگوں کو جمع کرنے والا ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور جب وہ کسی جمع کرنے والے کام میں مصروف ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیے بغیر نہیں جاتے... "جِماعُ الشیء" سے مراد اس کا مجموعہ ہے جیسا کہ "جماع الخباء" سے مراد خیمے ہیں، کیونکہ 'جماع' سے مراد مجموعی تعداد ہے۔ اسی طرح

کہاجاتاہے: شراب ''جماع الإثم'' ہے یعنی گناہ کو جمع کرنے والی ہے اور اس کی جڑ ہے۔''[1]

'المعجم الوسیط' کے مصنفین لکھتے ہیں:

''کسی متفرق شیء کو جمع کرنا یعنی اس کے بعض حصوں کو بعض سے ملا دینا... اسی طرح کہا جاتا ہے: قوم اپنے دشمنوں کے خلاف جمع ہو گئی ہے یعنی ان سے لڑائی کے لیے وہ ایک جماعت بن گئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: (مسلمانوں سے بعض مشرکین نے کہا) بے شک لوگ (یعنی مشرکین) تم سے لڑائی کے لیے اکھٹے ہو گئے ہیں، پس تم (اے مسلمانو!) ان سے ڈرو''... کسی چیز کے 'جماع' سے مراد اس کی اصل کو جمع کرنا اور جتنا کچھ جمع کیا گیا ہو، دونوں مراد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کہاجاتاہے: شراب گناہ کو جمع کرنے والی ہے۔ اسی طرح کہاجاتاہے: یہ باب ان تمام ابواب کا جامع ہے یعنی ان کو شامل ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہاجاتاہے: فلاں شخص بنو فلاں کو جمع کرنے والی اصل و بنیاد ہے یعنی وہ لوگ اس کی طرف پناہ لیتے ہیں، اس کے فیصلوں اور سرداری پر اعتماد کرتے ہیں۔ 'قدر جماع' سے مراد عظیم قدر ہے۔''[2]

اجتہاد کے لغوی معنیٰ پر علامہ ابن سیدہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 458ھ) لکھتے ہیں:

''جُهد' (ضمہ کے ساتھ) اور 'جَهد' (فتحہ کے ساتھ) دونوں سے مراد طاقت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'جُهد' (ضمہ کے ساتھ) سے مراد طاقت ہے اور 'جَهد' (فتحہ کے ساتھ) سے مراد مشقت ہے... 'جَهَدَ' اور 'اِجْتَهَدَ' دونوں کا معنیٰ ہے: اس نے کوشش کی۔''[3]

علامہ ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

'''جَهد' اور 'جُهد' سے مراد طاقت ہے جیسا کہ اہل عرب کا قول ہے: تو اپنی طاقت صرف کر۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'جَهد' سے مراد مشقت ہے اور 'جُهد' سے مراد طاقت ہے... اور 'جَهَدَ' باب فتح سے اور 'اجتهد' باب افتعال سے ہے اور دونوں کا معنیٰ کوشش کرنا ہے... 'اجتہاد' اور 'تجاہد' سے مراد پوری طاقت و قوت کو خرچ کرنا ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: میں اپنی رائے بنانے میں اجتہاد کروں گا یعنی کسی مسئلے کو معلوم

---

[1] الأفريقي، محمد بن مكرم، ابن منظور، لسان العرب: 53/8، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1992م

[2] مجمع اللغة العربية، الإدارة العامة للمعجمات وإحياء التراث، المعجم الوسيط: 1/134-135، مطابع دار المعارف، 1980م

[3] المرسى، علي بن إسماعيل، أبو الحسن، المحكم والمحيط الأعظم: 153/4، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1421هـ

کرنے کے لیے اپنی طاقت صرف کروں گا۔ اجتہاد 'جھد' سے باب افتعال ہے اور طاقت کے معنٰی میں ہے۔"[1]

ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید اجتماعی اجتہاد کا لغوی معنٰی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والجماعی نسبة إلی الجماعة، فالاجتهاد الجماعی هو اجتهاد الجماعة."[2]

"اجتماعی کا لفظ جماعت کی طرف نسبت ہے اور 'اجتماعی اجتہاد' سے مراد ایک جماعت کا اجتہاد ہے۔"

'اجتماعی اجتہاد' کی اصطلاحی تعریف

'اجتماعی اجتہاد' کی تعریف ایک جدید تعریف ہے۔ سلف صالحین کے مختلف ادوار میں ہمیں اجتماعی اجتہاد کی بعض صورتیں تو ملتی ہیں لیکن اس دور میں اس کی کوئی باقاعدہ تعریف وضع نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید لکھتے ہیں:

"يعد مصطلح الاجتهاد الجماعی من المصطلحات المعاصرة إذ لم يرد له ذكر عند المتقدمين، أما من حيث الممارسة العملية فقد شهد تاريخ التشريع الإسلامی جملة من الوقائع التی هی في حقيقتها اجتهاد جماعی وإن لم تسم بهذا الإسم."[3]

"اجتماعی اجتہاد کی اصطلاح ایک جدید اصطلاح ہے اور متقدمین میں اس کا تذکرہ ہمیں نہیں ملتا۔ جہاں تک اجتماعی اجتہاد کی عملی صورتوں کا معاملہ ہے تو فقہ اسلامی کی تاریخ میں اس قسم کے بہت سے واقعات موجود ہیں جو اجتماعی اجتہاد ہی کی مختلف صورتیں ہیں، اگرچہ انہیں سلف نے اجتماعی اجتہاد کا نام نہیں دیا۔"

معاصر علماء نے اجتماعی اجتہاد کی کئی ایک اصطلاحی تعریفیں بیان کی ہیں جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

پہلی تعریف

ڈاکٹر عبد المجید السوسوة الشرفی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"هو استفراغ أغلب الفقهاء الجهد لتحصيل ظن بحكم شرعی بطريق الاستنباط، واتفاقهم جميعاً أو أغلبهم علی الحكم بعد التشاور."[4]

"فقہاء کی اکثریت کا کسی حکم شرعی کی بذریعہ استنباط تلاش میں اپنی صلاحیتوں کو کھپا دینا اور پھر ان سب کا یا ان کی

[1] لسان العرب: 3/133-135

[2] صالح بن عبد الله بن حيمد، الدكتور، الاجتهاد الجماعی وأهميته في نوازل العصر: ص11، المجمع الفقه الإسلامي، مكة المكرمة

[3] أيضاً: ص12

[4] عبد المجيد السؤسوة، الدكتور، الاجتهاد الجماعی في التشريع الإسلامي: ص 42، وزارة الأوقاف والشوؤن الإسلامية، قطر، الطبعة الأولی، 1998م

اکثریت کا باہمی مشورے کے بعد کسی شیء کے شرعی حکم پر اتفاق کرلینا اجتماعی اجتہاد ہے۔"

ڈاکٹر عبد المجید حفظہ اللہ کی یہ تعریف شرح کی متقاضی ہے، لہٰذا وہ اپنی بیان کردہ تعریف کی خود ہی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قوله: (أغلب الفقهاء)، قيد لبيان أن الاجتهاد الجماعي يختلف عن الاجتهاد الفردي في كونه جهد جماعة وليس جهد فرد، وإن هذه الجماعة تكون أغلب العلماء المجتهدين أو أكثرهم." [1]

"فقہاء کی اکثریت کی قید اس لیے لگائی گئی تا کہ اجتماعی اور انفرادی اجتہاد میں یہ فرق واضح ہو سکے کہ اجتماعی اجتہاد فقہاء کی ایک جماعت کی بھرپور کوششوں کا نام ہے نہ کہ ایک فرد کی کوشش کا۔ اور یہ جماعت علمائے مجتہدین کی غالب اکثریت پر مشتمل ہو گی۔"

ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ حفظہ اللہ کی یہ بات محل نظر ہے کہ اجتماعی اجتہاد سے مراد فقہاء کی اکثریت کا اجتہاد ہے۔ اگر تو اجتماعی اجتہاد کا لغوی معنی دیکھا جائے تو تین علماء کے اتفاق پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا فقہاء کی اکثریت کے اتفاق کی شرط لگانا درست نہیں ہے۔ اور اگر تو ڈاکٹر صاحب کی مراد اجتماعی اجتہاد کی اصطلاحی تعریف ہے تو یہ ہے کہ علماء کی اکثریت جب تک اس تعریف کی تائید نہیں کر دیتی، اس وقت تک اس کا بیان کردہ اصطلاحی معنیٰ، اصطلاحی نہیں کہلایا جا سکتا ہے۔ اصطلاح عربی زبان کا لفظ ہے کہ جس کا مادہ 'صلح' ہے یعنی اصطلاح اسے کہتے ہیں کہ اس لفظ کے فلاں معنیٰ پر علماء کی ایک جماعت کی صلح یا اتفاق ہو گیا ہے کہ جب بھی یہ لفظ بولا جائے گا تو اس سے مراد یہ معنیٰ ہو گا۔ پس اصطلاح ایک شخص کی نہیں ہوتی بلکہ ایک جماعت جب ایک لفظ کو کسی مخصوص معنیٰ میں استعمال کرتی ہے تو وہ اصطلاح کہلاتی ہے۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ ابھی اجتماعی اجتہاد کی اصطلاحی تعریف وضع ہو رہی ہے لہٰذا اس عرصے میں جو صاحب علم بھی اجتماعی اجتہاد کے معاصر تصور کو الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش کریں، وہ اس کو متعین اصطلاحی تعریف کا نام نہ دیں، بلکہ انداز بیان یوں ہو کہ اجتماعی اجتہاد کی ممکنہ اصطلاحی تعریف یہ ہو سکتی ہے۔ بعد ازاں اگر علماء کی ایک معتد بہ جماعت کا اجتماعی اجتہاد کی اس تعریف پر اتفاق ہو جائے تو اس کو اصطلاحی تعریف کا نام دیا جا سکتا ہے۔ تا حال معاصر علماء نے اجتماعی اجتہاد کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں اور ان پر رد و قدح کا عمل جاری ہے۔ ڈاکٹر عبد المجید کی اس تعریف پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ یہ اجتماعی اجتہاد کی ایک ایسی تعریف ہے جو اس کے لغوی معنیٰ پر پوری نہیں اترتی ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر عبد المجید کی اس تعریف کو درست مان لیا جائے تو عصر حاضر میں اجتماعی اجتہاد کے نام سے جتنا کام بھی ہو رہا ہے وہ اس تعریف میں شامل نہیں ہوتا ہے۔ اسلامی فقہ اکیڈمی ہو یا "مجمع

---

[1] الاجتهاد الجماعي في التشريع الإسلامي: ص42

البحوث الإسلامية" اسلامی نظریاتی کونسل ہو یا "هيئة كبار العلماء السعودية"، اجتماعی اجتہاد کے ان تمام اداروں کے اراکین اپنے ممالک کے علماء کی بھی غالب اکثریت پر مشتمل نہیں ہیں، چہ جائیکہ کہ وہ عالم اسلام کے جمہور علماء کی نمائندگی کر رہے ہوں۔ اجتماعی اجتہاد کے نام پر جو بھی ادارے اس وقت کام کر رہے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو ملتِ اسلامیہ کے جمہور تو کیا ایک عشر عشیر پر بھی مشتمل ہو۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اجتماعی اجتہاد کی اس تعریف کو خود اس معیار پر پیش کیا جائے جو ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا ہے، تو یہ اس پر بھی پوری نہیں اترتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اجتماعی اجتہاد کے لیے علماء کی اکثریت کی قید لگائی ہے جبکہ علماء کی اکثریت اجتماعی اجتہاد کی اس تعریف کی قائل ہی نہیں ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کئی ایک براعظموں میں پھیلی ہوئی ہے اور تمام دنیا سے علماء کی اکثریت کو جمع کرنا ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔ اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ البانی رحمہ اللہ (متوفی 1999ء) نے ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ کی تعریف پر نقد کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"وقد جاء بقيدين، أحدهما أبعد عن الامكان من الآخر، فإن قوله: "أغلب الفقهاء"! كيف يمكن مع تفرقهم في البلاد الإسلامية الشاسعة؟! ثم كيف يمكن جمعهم في مكان واحد حتى يتشاوروا في الحكم ؟!."[1]

"ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ نے اجتماعی اجتہاد کی تعریف میں دو قیدوں کو بیان کیا ہے جبکہ ان میں ہر ایک کا امکان دوسری سے بڑھ کر ناممکن ہے۔ ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ نے فقہاء کی اکثریت کی شرط لگائی ہے، حالانکہ اس اکثریت کا اجتماع کیسے ممکن ہے جبکہ علماء مختلف اسلامی ممالک میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان سب کو ایک جگہ جمع کرنا کیسے ممکن ہے جبکہ ان کی آپس کی مشاورت تو اس اجتماع کے بعد کا معاملہ ہے۔"

ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ نے اپنی تعریف میں دوسری قید یہ لگائی ہے کہ یہ اجتہاد کسی شرعی حکم سے متعلق ظن غالب کو حاصل کرنے کے لیے ہو گا، جبکہ یہ امر واضح ہے کہ اجتہاد سے بعض اوقات ظن غالب حاصل ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں علم قطعی، خصوصاً جبکہ اس اجتہاد پر مابعد کے زمانوں میں اجماع بھی منعقد ہو جائے۔ ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید لکھتے ہیں:

"عبارة (لتحصيل ظن بحكم شرعى) هذا الوصف غير دقيق فإن كان المقصود به المجتهد فإنه قد

[1] الألباني، محمد ناصر الدين بن الحجاج، سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة: 10/437، دار المعارف، الرياض، الطبعة الأولى، 1412هـ

يتحصل من اجتهاده على ظن وقد يتحصل على قطع، وإن كان المقصود به غيره فليس ذا بال."[1]

"کسی حکم شرعی سے متعلق ظن غالب کو حاصل کرنے کی عبارت ایک ایسا وصف ہے، جو غیر ضروری ہے۔ پس اگر اس سے مقصود مجتہد ہے تو اس کو تو بعض اوقات ظن حاصل ہوتا ہے اور بعض اوقات علم قطعی۔ اور اگر مقصود کچھ اور ہے تو پھر اس وصف کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ نے اجتماعی اجتہاد کی تعریف میں تیسری قید یہ لگائی ہے کہ اس اجتہاد میں شریک تمام علماء یا ان کی اکثریت زیر بحث مسئلے کے حکم پر متفق ہو جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

"قوله (واتفاقهم جميعا أو أغلبهم على الحكم)، قيد لبيان أن الاجتهاد الصادر من جماعة لا يكون جماعياً بالمعنى المقصود، إلا إذا نتج عنه حكم متفق عليه من جميع أولئك المجتهدين أو من أغلبهم. أما إذا لم يتفقوا، وظل كل مجتهد محتفظ برأيه واجتهاده، فلا يتحقق الاجتهاد الجماعي، وإنما تكون النتيجة مجموعة من الاجتهادات الفردية المختلفة."[2]

"تمام علماء یا ان کی اکثریت کے متفق ہو جانے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ اجتہاد اس وقت تک اجتماعی نہیں کہلائے گا جب تک کہ تمام مجتہدین یا ان کی اکثریت اس مسئلے کے شرعی حکم پر متفق نہ ہو جائے۔ اگر تمام یا اکثر علماء متفق نہ ہوئے اور ہر مجتہد اپنے اجتہاد اور رائے پر تحفظات کا شکار رہا تو پھر اجتماعی اجتہاد حاصل نہیں ہو گا، بلکہ یہ مختلف انفرادی اجتہادات کا نتیجہ ہو گا۔"

اس قید پر اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ جس طرح علماء کی اکثریت کا ایک جگہ اجتماع ایک مشکل امر ہے اس سے زیادہ ناممکن کام ان سب یا ان کی اکثریت کا کسی مسئلے میں کسی شرعی حکم پر اتفاق کر لینا ہے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أن قوله: "واتفاقهم جميعاً!" فهذا أبعد من التحقق من الذى قبله، خاصة في هذا الزمن الذى قل فيه المجتهدون اجتهادا فردياً مع توفر شروط الاجتهاد، التى تكلم عنها كلاماً جيدا دكتور الشرفي ! ولعله لذلك أتبعه بقوله معطوفاً عليه: "أو أغلبهم"! فهذا الاجتهاد الجماعى أشبه ما يكون بالاجتهاد الفردى المجمع عليه في تعريف علماء الأصول وأصعب تحقيقا."[3]

"ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ کا اجتماعی اجتہاد کی تعریف میں تمام علماء کے اتفاق کی قید لگانا ایک ایسی شرط ہے کہ جس کا پایا جانا پہلی شرط کی نسبت زیادہ مشکل ہے، خاص طور پر اس زمانے میں کہ جس میں ایسے مجتہدین بہت کم ہیں کہ جن میں اجتہاد کی وہ شروط پائی جاتی ہوں کہ جن کے بارے میں ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ نے بھی بڑا عمدہ کلام

1. الاجتهاد الجماعى و أهميته في نوازل العصر: ص 15
2. الاجتهاد الجماعى في التشريع الإسلامي: ص46-47
3. سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة: 10/437

کیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے معاً بعد ان کی اکثریت کے اتفاق کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔"

اسی طرح ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید لکھتے ہیں کہ اگر مجتہدین کی ایک بڑی جماعت مثلاً پچاس افراد پر مشتمل مجلس میں کسی مسئلے کے شرعی حکم کے بارے میں بحث و تمحیص کے بعد اختلاف کی صورت میں دو گروہ بن جاتے ہیں۔ بڑے گروہ مثلاً چالیس افراد کی رائے ایک ہے، جبکہ چھوٹے گروہ مثلاً دس افراد کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اب اس دوسری جماعت کے اجتہاد پر بھی اجتماعی اجتہاد ہی کے لفظ کا اطلاق ہو گا اگرچہ وہ اکثریت میں نہیں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"عبارة: (أغلب الفقهاء) و(أغلب المجتهدين) فهذا التنصيص محل نظر من حيث: (أ) إن الحكم بأن المجتمعين هم أغلب الفقهاء أو المجتهدين متعذر.(ب) ثم إن الأقلية المخالفة يصدق على اجتهادها أنه اجتهاد جماعي.(ج) وكذا لو أن جمعاً من الفقهاء ممن لا يمثلون الأغلبية اجتهدوا لعد ذلك اجتهاداً جماعياً صحيحاً."[1]

"اکثر فقہاء یا مجتہدین کی شرط لگانا تین اعتبارات سے محل نظر ہے: 1۔ اکثر فقہاء یا مجتہدین کا اتفاق ایک مشکل امر ہے۔ 2۔ جس اقلیت نے اس اجتہاد کی مخالفت کی ہے، وہ بھی اجتماعی اجتہاد ہی ہے (اگر وہ دو سے زائد ہوں)۔ 3۔ اسی طرح اگر علماء کی ایک محدود جماعت، جو اکثریت نہ ہو، آپس میں مل کر اجتہاد کرتے ہیں تو صحیح بات یہی ہے کہ اس کو بھی اجتماعی اجتہاد ہی میں شمار کریں گے۔"

ہمارے خیال میں کسی مسئلے میں علماء کی اکثریت کا اتفاق ایک چیلنج تو ہے لیکن ناممکن امر نہیں ہے، لیکن اس اکثریت کو اجتماعی اجتہاد کے عمل کے ایک لازمی جزو کے طور پر بیان نہیں کرنا چاہیے۔ ماضی میں کئی ایک مسائل پر علماء کے اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے اور یہ دعویٰ صحیح بھی ہے۔ اور ایسے مسائل کی تعداد تو بہت زیادہ ہے جن میں اکثر مجتہدین کا اتفاق ہوتا ہے جیسا کہ 'فقہ المقارن' کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں مسائل ایسے ہیں کہ جن میں ائمہ ثلاثہ امام مالک (متوفیٰ 179ھ)، امام شافعی (متوفیٰ 204ھ) اور امام احمد (متوفیٰ 241ھ) رحمہم اللہ علیہم کی رائے ایک ہی ہوتی ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 150ھ) کی رائے ان سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح اب تو باقاعدہ اس موضوع پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں کہ ان مسائل کو جمع کیا جائے، جن میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ فقہ کے تقابلی مطالعے میں عموماً یہ بات بار بار سامنے آتی ہے کہ اس مسئلے میں جمہور علماء کا یہ موقف ہے اور یہ اجتماعی اجتہاد ہی کی ایک شکل ہے اگرچہ ان علماء کی رائے کسی اجتماع یا مشورے کے بغیر اتفاقاً ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہوتی ہے۔

ہاں! یہ بات درست ہے کہ ایک مسئلہ جب علماء کی ایک جماعت کے سامنے رکھا جائے تو ضروری نہیں ہے کہ

[1] الاجتهاد الجماعي وأهميته في نوازل العصر: ص15

ایک ہی مجلس میں ان کی اکثریت اس کے شرعی حکم پر اتفاق کرلے بلکہ اس مسئلے پر کئی ایک مجالس میں ردوقدح کے بعد ان کی اکثریت کسی ایک موقف تک پہنچ سکتی ہے، بشرطیکہ وہ دلائل کے تبادلہ خیال میں دلیل کی قوت کو قبول کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں اور مذہبی تعصب یا فرقہ وارانہ پس منظر میں ردعمل کا شکار ہو کر اپنے موقف پر مصر نہ رہیں۔ علاوہ ازیں باہمی اتفاق واتحاد رائے بھی ان پر اس قدر سوار نہ ہو کہ وہ اس جذبے کو حق بات پر ترجیح دینے لگ جائیں۔ ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ اجتماعی اجتہاد کی تعریف میں دوسری قید کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأيضاً في قوله: (اتفاقهم جميعاً أو أغلبهم)، فيه بيان للفرق بين الاجتهاد الجماعی والإجماع، فالإجماع يشترط فيه اتفاق جميع المجتهدين من أمة محمد ﷺ على حكم شرعی، بينما الاجتهاد الجماعي يكفي فيه اتفاق مجموعة من العلماء المجتهدين أو أكثر العلماء المجتهدين، ولا يشترط فيه اتفاق جميع المجتهدين، إذ لو تم هذا كان ذلك إجماعاً، وأيضاً يكفي في الاجتهاد الجماعي اتفاق أغلب المشاركين في الاجتهاد."[1]

"شریک علماء میں سب یا ان کی اکثریت کے اتفاق کی قید لگانے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اجتماعی اجتہاد اور اجماع میں فرق واضح ہو جائے۔ اجماع میں کسی شرعی حکم پر امت محمد ﷺ کے تمام مجتہد علماء کا اتفاق ضروری ہے، جبکہ 'اجتماعی اجتہاد' میں علماء کی ایک جماعت یا اکثر علمائے مجتہدین کا اتفاق بھی کافی ہے۔ اور اگر اس اجتماعی اجتہاد سے قائم شدہ رائے پر باقی تمام علماء بھی اتفاق کرلیں تو یہ اجماع بن جائے گا۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اجتماعی اجتہاد میں مجتہد علماء کی اکثریت کی شرکت ہی کافی ہے۔"

ہمارے خیال میں یہ ایک اچھی وضاحت ہے کہ جس سے علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کے خدشے کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ اجتماعی اجتہاد کی تعریف میں تیسری قید کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقوله: (بعد تشاورهم) فيه بيان بأن الاجتهاد الجماعی لا بد أن يكون الحكم الصادر عنه قد أتى بعد تشاور أولئك العلماء وتبادلهم للآراء، وتمحيص هم للأفكار، ومناقشتهم للأقوال بطريقة شورية، من خلال وسيلة يحددونها كالمجالس أو المجامع أو المؤتمرات أو غير ذلك، أما إذا حدث توافق بين آراء مجموعة من العلماء في حكم شرعي، وكان ذلك دون سابق تشاور بينهم حول ذلك الحكم، فإن هذا ليس اجتهادا جماعياً، وإنما هو توافق في الاجتهاد."[2]

"تعریف میں علماء کے باہمی مشورے کے بعد ان کے اتفاق کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ 'اجتماعی اجتہاد' کے لیے یہ بات لازم ہے کہ کسی مسئلے کے شرعی حکم پر علماء کا اتفاق ان کی باہمی مشاورت، تبادلہ خیال، ایک دوسرے

---

1 الاجتهاد الجماعی في التشريع الإسلامی: ص47

2 أيضاً: ص47

کے موقفات کی چھان پھٹک اور دلائل کی ردوقدح کے بعد شورائی طریقے پر صادر ہوا اور یہ سب عمل مختلف قسم کی مجالس، اداروں اور سیمیناروں وغیرہ کا نتیجہ ہو۔ اگر ایسا ہو کہ کسی مسئلے کے شرعی حکم میں علماء کی آراء بغیر کسی مشاورت کے اتفاقاً ایک دوسرے کی تائید میں ہوں تو یہ اجتماعی اجتہاد نہ ہو گا بلکہ اس کو ہم ان کے اجتہاد کی باہمی موافقت کا نام دیں گے۔"

'اجتماعی اجتہاد' کی تعریف میں باہمی مشاورت کے عمل کو جس طرح ڈاکٹر عبد المجید نے واضح کیا ہے وہ ایک اہم نکتہ ہے۔ اسی طرح انہوں نے کسی مسئلے میں علماء کی باہمی مشاورت کے جو ذرائع بیان کیے ہیں، ان کا انکار نہیں ہے لیکن ان میں اہم ترین ذریعہ تحریری مباحثہ ومکالمہ ہے جس کا تذکرہ انہوں نے نہیں کیا۔ بعض اوقات ایک عالم دین اپنی کسی کتاب، مقالے یا تحقیقی مضمون میں کسی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور پھر اس پر دوسرے علماء کی طرف سے مثبت ومنفی آراء کا اظہار شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح معاصر تحقیقی رسائل وجرائد یا کتب میں بحث ونقد کے اس سلسلے میں علماء اپنی آراء قائم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ایک خاص وقت کے بعد علماء کی ایک اکثریت اس رائے کی حامل ہوتی ہے کہ جس کو ایک عالم نے شروع میں پیش کیا تھا۔ مثال کے طور پر کیمرے کی تصویر کو ہی لے لیں۔ اس بارے میں بعض علماء مثلاً ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے جواز کا فتوی جاری کیا' جس پر مختلف علماء کی طرف سے نقد کی گئی اور اس طرح ایک تحریری مناقشہ کے بعد آج علماء کی اکثریت کیمرے کی تصویر کے جواز یا عدم جواز میں سے کسی ایک موقف کی حامل ضرور ہے۔ ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ اس قید کی مزید شرح کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

"وأيضاً في قوله: بعد تشاورهم، وصف يتبين منه الفرق بين الاجتهاد الجماعي والإجماع، فالجماعي يلزم أن يكون مبنياً على الشورى، أما الإجماع فلا يشترط فيه تشاور المجتهدين، إذ لو حدث اتفاق جميع المجتهدين على حكم شرعي دون أن يسبق ذلك تشاور، صح الإجماع."[1]

"علماء کے مشورے کے بعد کسی رائے پر اتفاق کی قید اس لیے لگائی گئی ہے تاکہ اجماع اور اجتماعی اجتہاد میں فرق واضح ہو جائے، کیونکہ اجتماعی اجتہاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ شوریٰ پر مبنی ہو، جبکہ اجماع کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں مجتہدین کی باہمی مشاورت شرط نہیں ہے، اگر کسی مسئلے میں بغیر کسی مشورہ کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاق ہو گیا ہو تو یہ اجماع کہلائے گا۔"

ڈاکٹر صاحب نے 'اجتماعی اجتہاد' اور اجماع میں فرق کے اعتبار سے ایک اچھا نکتہ بیان کیا ہے۔ 'اجتماعی اجتہاد' اگرچہ اجماع تو نہیں ہے لیکن وہ اجماع کے حصول کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے۔

1 الاجتهاد الجماعي في التشريع الإسلامي: ص47

دوسری تعریف

ڈاکٹر خلیل العید اجتماعی اجتہاد کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اتفاق أغلب المجتهدين من أمة محمدﷺ في عصر من العصور على حكم شرعي في مسألة."[1]

"امت محمد ﷺ کے اکثر مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی مسئلے کے شرعی حکم پر اتفاق کر لینا، اجتماعی اجتہاد ہے۔"

ڈاکٹر خلیل العید کی اس تعریف پر بھی وہ تمام اعتراضات وارد ہوتے ہیں جو ڈاکٹر عبد المجید السوسوۃ کی تعریف پر ہیں۔ پہلی تعریف پر وارد ہونے والے اعتراضات کے علاوہ ایک اور اعتراض جو مذکورہ بالا تعریف پر وارد ہو سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی مسئلے پر فقہاء کی اکثریت کا اتفاق تو اس طرح بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ کسی ایک مجتہد نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہو اور اسی زمانے میں کچھ اور مجتہدین بھی اس کی رائے سے متفق ہو گئے، جبکہ اس طرح کے اتفاقی اجماع کو کوئی بھی اجتماعی اجتہاد نہیں کہتا ہے۔ اگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مسئلے میں کسی رائے کا اظہار کیا اور امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا ان سے اتفاق ہو گیا، جیسا کہ اکثر و بیشتر مسائل میں ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا موقف ایک ہی ہے، تو کیا یہ اجتماعی اجتہاد ہوگا؟ حالانکہ اس کو اجتماعی اجتہاد کوئی بھی نہیں کہتا ہے۔ ڈاکٹر احمد ریسونی لکھتے ہیں:

"وبغض النظر عن الاختلاف في الصيغ التعريفية المفضلة عند كل واحد، فلا أحد يخالف في أن (الاجتهاد الجماعي): هو الذى ينبثق مضمونه ويصدر عن جماعة من العلماء، بعد التشاور والتحاور في المسألة المجتهد فيها. فدخول عنصرى (الجماعة والتحاور) في الجهد الاجتهادى، وفي الموافقة على نتيجته، هو الذى يعطى الاجتهاد صفة (الجماعى). فلو اتفق عدد من العلماء على اجتهاد معين، دون تلاق ولا تحاور بينهم، فلا يكون اجتهادهم واتفاقهم اجتهادا جماعياً وكذلك إذا تلاقوا وتحاوروا في المسألة، لكنهم اختلفوا وعبر كل منهم عن اجتهاده ووجهة نظره. نعم إذا لم يتفقوا جميعاً، وصدر الاجتهاد أو الفتوى باسم فريق منهم فإنه يكون اجتهادا جماعياً لا سيما إذا كان المتفقون هم الأكثرية."[2]

"اگر اجتماعی اجتہاد کی مختلف تعریفوں میں موجود اس اختلاف سے صرف نظر کریں جو ہر تعریف کے واضع کے نزدیک اہم ہے، تو اس بات سے تو کسی عالم دین کو اختلاف نہیں ہو گا کہ اجتماعی اجتہاد سے مراد وہ اجتہاد ہے جو کسی مجتہد فیہ مسئلے میں باہمی مشاورت و مکالمے کے بعد علماء کی ایک جماعت سے صادر ہو اور پانی کی طرح از خود جاری ہو جائے (یعنی پہلے سے طے شدہ نتائج یا اتحاد و اتفاق کے حصول کے لیے نہ ہو)۔ پس اجتہادی کوشش میں جب جماعت اور باہمی مشاورت کا عنصر شامل ہو جائے اور بعد ازاں اس پر علماء کی موافقت بھی حاصل ہو جائے تو

1 الاجتهاد الجماعى و أهميته في نوازل العصر: ص13

2 أحمد الريسوني، الدكتور، الاجتهاد الجماعى: ص3، المجمع الفقه الإسلامي، مكة المكرمة

اس کو اجتماعی اجتہاد کہیں گے۔ اور اگر علماء کی ایک جماعت کا کسی معین اجتہاد پر باہمی ملاقات و مشاورت کے بغیر اتفاق ہو گیا تو ان کے اس اجتہاد یا اتفاق کو اجتماعی اجتہاد کا نام نہ دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر علماء نے باہم مل بیٹھ کر کسی مسئلے میں مشاورت کی اور ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ پس ہر ایک نے اپنے اجتہاد اور نقطہ نظر کو واضح کیا اور کسی ایک رائے پر ان سب کا اتفاق نہ ہو سکا۔ اب اگر علماء کی اس مجلس میں ایک گروہ اپنے نام سے کوئی اتفاقی فتویٰ جاری کرتا ہے تو اسے بھی اجتماعی اجتہاد کہیں گے، خاص طور پر جبکہ اس مجلس کی اکثریت کسی رائے پر متفق ہو۔"

ڈاکٹر احمد ریسونی کا کہنا یہ ہے کہ اگر علماء کی ایک مجلس میں کسی مسئلے کے بارے کئی ایک آراء سامنے آئیں اور اس مجلس کے علماء کی اکثریت یا ایک فریق، کسی ایک رائے پر اتفاق کرتے ہوئے اس کے مطابق فتویٰ جاری کر دے تو اسے بھی اجتماعی اجتہاد کہیں گے، لیکن اگر مجلس کے تمام اراکین میں ہی اختلاف ہو جائے اور دو سے زائد علماء کسی رائے پر متفق نہ ہوں تو پھر ہر ایک کا فتویٰ انفرادی اجتہاد ہو گا نہ کہ اجتماعی۔

ہمیں جو بات محسوس ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اجتماعی اجتہاد کے بنیادی عناصر جماعت اور باہمی مشاورت ہے۔ یعنی اگر علماء کی ایک جماعت کسی مسئلے کا شرعی حل پیش کرنے کے لیے باہمی مشاورت کرے تو اس عمل کو اجتماعی اجتہاد کہیں گے، جہاں تک ان سب یا ان کی اکثریت کے اتفاق کا معاملہ ہے تو وہ اجتماعی اجتہاد کے اس فعل کا نتیجہ ہے۔ مباحثے و مکالمے کے بعد بعض اوقات یہ اتفاق حاصل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات نہیں ہوتا۔ ہمارے نقطہ نظر میں ایک متعین مسئلہ میں علماء کے باہمی مکالمے و مباحثے کے بعد اگر دو افراد کے مابین بھی اتفاق حاصل نہ ہو تو اس کو بھی اجتماعی اجتہاد کہیں گے کیونکہ ایک شرعی مسئلے کی تلاش میں اجتماعی کوشش تو صَرف ہوئی ہے۔ اس لیے علماء کی اکثریت کا اتفاق اجتماعی اجتہاد کے عمل کے لیے خارجی وصف کی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ رکن کی اہمیت کا۔

ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید فرماتے ہیں:

"عبارة: (اتفاقهم) و (اتفاق) فهذا الوصف خارج عن ماهية الاجتهاد الجماعي إذ الاتفاق أحد نتائج هذا الاجتهاد وفرق بين الشيء ونتيجته، وإنه ليس من شرائط تحقيق الاجتهاد الجماعي أن يخرج منه المجتهدون بالاتفاق بل لو أنهم اجتمعوا وتباحثوا ولم يتوصلوا إلى شيء أو حصل منه متوقف لصدق على ذلك أنه اجتهاد جماعي."[1]

"فقہاء یا مجتہدین کے اتفاق کی قید ایک ایسا وصف ہے جو اجتماعی اجتہاد کی ماہیت سے خارج ہے، کیونکہ ان کا اتفاق تو اس عمل اجتہاد کا ایک نتیجہ ہے اور کسی شیء اور اس کے نتیجے کے مابین فرق ایک واضح امر ہے۔ اجتماعی اجتہاد کے ثبوت کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے کہ اس پر تمام مجتہدین کا اتفاق ہو تو پھر ہی وہ اجتماعی اجتہاد ہوتا ہے،

---

[1] الاجتهاد الجماعي وأهميته في نوازل العصر: ص15

بلکہ اگر مجتہدین کی ایک جماعت نے جمع ہو کر آپس میں مباحثہ کیا اور کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے یا انہوں نے کسی مسئلے میں توقف اختیار کیا تو پھر بھی اس عمل کو اجتماعی اجتہاد ہی کہیں گے۔"

تیسری تعریف

ڈاکٹر توفیق الشاوي اجتماعی اجتہاد کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جرى العرف على أن المقصود بالاجتهاد الجماعي هو تخصيص مهمة البحث واستنباط الأحكام بمجموعة محدودة من العلماء والخبراء والمتخصصين ، سواء ما رسموا ذلك بالشورى المرسلة، أم في مجلس يتشاورون فيه ويتداولون، حتى يصلوا إلى رأى يتفقون عليه أو ترجحه الأغلبية، ويصدر قرارهم بالشورى ولكنه يكون في صورة فتوى."[1]

"عرف کے مطابق اجتماعی اجتہاد سے مراد بحث و تحقیق اور استنباط احکام کا کام علماء، اسکالرز اور ماہرین فن کی ایک متعین جماعت کو سونپ دینا ہے۔ اب برابر ہے کہ وہ سب ایک ایسی مشاورت قائم کریں جو کھلی اور عام ہو (مثلاً پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا وغیرہ کے ذریعے) یا وہ ایک ہی مجلس مشاورت کا اہتمام کریں کہ جس میں وہ اس موضوع پر مشورہ اور گفتگو کریں یہاں تک کہ وہ سب یا ان کی اکثریت ایک متفقہ رائے تک پہنچ جائے۔ ان کی پاس شدہ تجویز باہمی مشاورت سے جاری ہو لیکن وہ فتویٰ کی صورت میں ہو۔"

'اجتماعی اجتہاد' کی اس تعریف پر یہ بڑا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تمام اصولیین اور فقہاء کے نزدیک اجتہاد کے لیے مجتہد ہونا لازم ہے اور اس کی مخصوص شرائط ہیں۔ پس اجتماعی اجتہاد بھی ایسے افراد کا فعل ہو گا جو مجتہدین امت ہوں جبکہ اجتماعی اجتہاد کی مذکورہ بالا تعریف میں ماہرین معاشیات، متخصصین طب اور فقہائے امت کی حیثیت برابر ہے اور ان سب کے فعل کو اجتہاد کہا جا رہا ہے اور یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ ایک ماہر سرجن یا انجینئر یا پی۔ ایچ۔ ڈی اکنامکس مجتہد تو کیا، دین کے ایک ابتدائی طالب علم جتنا علم دین بھی نہیں رکھتے ہیں الا ماشاء اللہ۔ اجتماعی اجتہاد کی اس تعریف کو ماننے سے یہ لازم آئے گا کہ اجتہاد کو علمائے مجتہدین اور ماہرین فن عامۃ الناس کا ایک فعل قرار دیا جائے نہ کہ صرف مجتہدین امت کا۔

اس تعریف پر دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ فرض کریں، دس افراد کی ایک جماعت مل کر کسی معاشی مسئلے میں غور کرتی ہے جن میں سے چار ماہرین فن ہیں اور چھ علماء ہیں۔ اب چار ماہرین اور دو علماء کی ایک رائے ہے جبکہ چار علماء دوسری طرف ہیں۔ لہٰذا اجتماعی اجتہاد کی اس صورت میں دو علماء کی رائے چار علماء کے مقابلے میں بھاری اور وزنی شمار ہو گی۔ پس اجتماعی اجتہاد کی اس تعریف میں اصل حیثیت علماء یا علم دین کی نہیں بلکہ گنتی کی

[1] الشاوي، توفيق، الدكتور، فقه الشورى والاستشارة: ص242، دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع، المنصورة، الطبعة الأولى، 1412هـ

ہے، اور اس قسم کی گنتی کہ جس میں ماہرین فن کی رائے کو بھی علمائے مجتہدین کی رائے کے برابر حیثیت حاصل ہو، شرعی احکام کے قبول و عدم قبول میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ مثال کے طور پر معاصر معاشی ماہرین کی بات کریں تو ان کی اکثریت تو اس بات پر متفق ہو سکتی ہے کہ سود کے بغیر کسی مسلمان ریاست کا معاشی نظام چل ہی نہیں سکتا۔

اس میں بہر حال کوئی شک نہیں ہے کہ اجتماعی اجتہاد کے عمل میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین سے رہنمائی لی جاسکتی ہے تاکہ علماء کے لیے فقہ الواقع کو سمجھنے اور مختلف احوال و ظروف پر قرآن و سنت کی نصوص کے اطلاق میں آسانی پیدا ہو، لیکن اس رہنمائی کی وجہ سے نہ تو ماہرین فن مجتہد بن جاتے ہیں اور نہ ہی ان کے اس عمل کو 'عمل اجتہاد' کہیں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 189ھ) اپنے فتاویٰ میں عرف کا لحاظ رکھنے کے لیے بازاروں کا بہت زیادہ چکر لگاتے تھے تاکہ بیع و تجارت کی اقسام، انواع، شروط اور احوال سے واقف رہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ان فتاویٰ کے بارے، جو انہوں نے بازار میں موجود تاجروں سے رہنمائی کی روشنی میں جاری کیے، ہم یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ وہ اجتماعی اجتہاد کی ایک قسم ہے۔ اجتہاد شرعی حکم کی تلاش یا تطبیق کا نام ہے اور فقہ الواقع کی معرفت نہ تو شرعی، حکم کی تلاش ہے اور نہ ہی اس کی تطبیق۔ جبکہ مجتہدین، ماہرین فن سے صرف فقہ الواقع کی معرفت ہی حاصل کرتے ہیں۔

چوتھی تعریف

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 2015ء) اجتماعی اجتہاد کی تعریف کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"وأما الاجتهاد الجماعي: فهو اتفاق مجموعة من العلماء على حكم شرعي في بعض المسائل الظنية بعد النظر والتأمل في البحوث المقدمة والآراء المعروضة في مؤسسة أو مجمع."[1]

"اجتماعی اجتہاد سے مراد کسی ادارے یا اکیڈمی میں موجود علماء کی ایک جماعت کا، اپنے سامنے پیش کی گئی تحقیقات اور آراء کی روشنی میں، ظنی مسائل میں غور و فکر کے بعد، ان کے شرعی حکم کے بارے میں ایک اتفاقی رائے جاری کرنا ہے۔"

اس تعریف پر بھی دو اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اجتماعی اجتہاد کسی فعل کا نام ہے یا نتیجے کا؟ اگر تو یہ ایک فعل ہے تو جب علماء کی ایک جماعت نے کسی مسئلے کے شرعی حکم پر مل بیٹھ کر بحث کر لی تو ان کا یہ فعل ہی اجتماعی اجتہاد ہے، چاہے ان کا اس مسئلے کے شرعی حکم پر اتفاق ہو یا نہ ہو۔ دوسرا ممکن اعتراض یہ ہے کہ ادارے یا اکیڈمی کی قید لگانا ایک اضافی قید ہے۔ یہ کام اداروں کے بغیر بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ بعض اوقات کسی دار العلوم

---

[1] الاجتهاد الجماعي وأهميته في مواجهة مشكلات العصر: ص6

کے منتظمین کسی مسئلے پر علمی سیمینار یا مجلس کا انعقاد کرتے ہیں اور بقیہ مدارس کے علماء کو اظہار خیال کی دعوت دیتے ہیں۔ جیسا کہ کچھ ہی عرصہ پہلے جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی میں دیوبند کے علماء کی ایک جماعت نے اسلامی بینکاری کے ناجائز ہونے کا فتویٰ جاری کیا۔ علاوہ ازیں علماء کی باہمی مراسلت یا تحریری مکالمے و مباحثے کے ذریعے بھی کسی ایک رائے یا نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ اس وقت اجتماعی اجتہاد کے نام پر جو کام ہو رہا ہے، وہ اکثر و بیشتر تحقیقی و علمی اداروں کے تحت ہی ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ اجتماعی اجتہاد کی دوسری ممکنہ تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أو اتفاق أكثرية الحاضرين على رأى معين في ضوء مصادر الشريعة ومقاصدها وقواعدها ومباديءها لاختيار ما يحقق المصلحة الزمنية."[1]

"یا کسی مجلس میں موجود علماء کی اکثریت نے مصادر، مقاصد اور قواعد اور مبادی شریعت کی روشنی میں کسی ایسی معین رائے پر اتفاق کر لیا جو زمانی مصلحتوں کو بھی پورا کرنے والی ہو۔"

اس تعریف میں بھی 'علماء کے اتفاق' کی قید محل نظر ہے۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ ایک تیسری ممکنہ تعریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أو هو اتفاق أكثر مجتهد على حكم شرعي بعد بذلهم غاية وسعهم في استنباطه من أدلته."[2]

"یا اجتماعی اجتہاد سے مراد اکثر مجتہدین کا، کسی مسئلے کے شرعی حکم کو اس کے دلائل شرعیہ سے مستنبط کرنے کے لیے، اپنی کوششیں انتہائی درجے میں کھپاتے ہوئے اس کے حکم پر اتفاق کر لینا ہے۔"

اس تعریف میں بھی 'علماء کے اتفاق' کی قید اضافی ہے۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ اجتماعی اجتہاد کی ایک اور تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ويطلق الآن على اتفاق أكثر من فقيه أو باحث متخصص في الفقه وإن لم يبلغ مرتبة الاجتهاد بعد بذلهم غاية وسعهم في استنباط حكم شرعي من أدلته وهذا هو الغالب الشائع في المجامع الفقهية المعاصرة."[3]

"آج کل کے زمانے میں اجتماعی اجتہاد سے مراد فقہاء یا علم فقہ میں تخصص و تحقیق کرنے والے طلباء، جو ابھی درجہ اجتہاد کو نہ پہنچے ہوں، کا کسی مسئلے کا شرعی حکم اُدلہ شرعیہ سے اُخذ کرتے ہوئے اپنی محنتوں کو انتہائی درجے میں کھپا دینا اور پھر ان کی اکثریت کا اس مسئلے کے شرعی حکم پر اتفاق کر لینا ہے اور اجتماعی اجتہاد کا یہی معنیٰ معاصر

---

1 الزحيلي، وهبة، الدكتور، الاجتهاد الجماعى وأهميته في مواجهة مشكلات العصر: ص6-7، المجمع الفقهي الإسلامي، مكة المكرمة

2 أيضاً: ص7

3 أيضاً

فقہی اکیڈمیوں میں غالب اور عام ہے۔"

اس تعریف میں بھی 'علماء کے اتفاق' کی قید ایک اضافی قید ہے۔اسی طرح اکثریت کی قید لگانا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اس کا پورا ہونا ایک مشکل اَمر ہے جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

پانچویں تعریف

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اجتماعی اجتہاد کے عمل کو درج الفاظ کے ذریعے بیان کیا ہے:

"ينبغي في القضاياة الجديدة أن ننتقل من الاجتهاد الفردى إلى الاجتهاد الجماعى وهو الذى يتشاور فيه أهل العلم في القضايا المطروحة، وخصوصاً فيما يكون له طابع العموم ويهم جمهور الناس." [1]

"جدید مسائل میں ہمیں انفرادی اجتہاد کی بجائے اجتماعی اجتہاد کے منہج کو اختیار کرنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ پیش آمدہ مسائل و واقعات میں اہل علم کی ایک جماعت باہمی مشاورت کرتی ہے، خاص طور پر ان مسائل میں جو عمومی نوعیت کے ہوں اور عوام الناس کی اکثریت ان سے پریشان ہو۔"

اجتماعی اجتہاد کی یہی تعریف ڈاکٹر شعبان محمد اسماعیل نے بھی کی ہے۔[2]

اس تعریف میں عمومی نوعیت کے مسائل کی قید ایک اضافی قید ہے۔

ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید لکھتے ہیں:

"عبارة: (طابع العموم) (ويهم جمهور الناس) و(ذات طابع عام) فهذه القيود عند التحقيق غير لازمة فلو أن الاجتهاد الجماعى جرى في مسألة خاصة أو ذات طابع خاص لصدق عليه أنه اجتهاد جماعى." [3]

"عمومی نوعیت، یا عوام الناس کی اکثریت جن سے پریشان ہو وغیرہ جیسی قیود، غیر لازمی اوصاف ہیں کیونکہ اگر اجتماعی اجتہاد کسی خاص مسئلے میں جاری ہو جاتا ہے یا خاص نوعیت کے مسائل کے تحت ہوتا ہے تو پھر بھی اس کو اجتماعی اجتہاد ہی کہیں گے۔"

---

1 القرضاوي، يوسف، الدكتور، الاجتهاد في الشريعة الإسلامية: ص182، دار القلم، كويت، الطبعة الأولى، 1996م

2 شعبان، محمد إسماعيل، الدكتور، الاجتهاد الجماعى ودور المجامع الفقهية في تطبيقه: ص21، جامعة القاهرة، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولى، 1418هـ

3 الاجتهاد الجماعى وأهميته في نوازل العصر: ص14

چھٹی تعریف

"ندوة الاجتهاد الجماعي في العالم الإسلامي" کے علماء نے 'جامعة العين' متحدہ عرب امارات، "كلية الشريعة" کے تحت منعقدہ اجلاس 1996ء میں اجتماعی اجتہاد کی درج ذیل تعریف بیان کی ہے :

"تقرر الندوة أن الاجتهاد الجماعي: هو اتفاق أغلبية المجتهدين، في نطاق مجمع فقهي أو هيئة أو مؤسسة شرعية، ينظمها ولي الأمر في دولة إسلامية على حكم شرعي عملي، لم يرد به نص قطعي الثبوت والدلالة، بعد بذل غاية الجهد فيما بينهم في البحث والتشاور." [1]

"اجتماعی اجتہاد کی مجلس یہ طے کرتی ہے کہ اجتماعی اجتہاد سے مراد کسی ایسی فقہی اکیڈمی، انجمن یا شرعی ادارے کے تحت، جس کی دیکھ بھال اسلامی ریاست میں امیر المؤمنین کر رہے ہوں، علماء کی اکثریت کا باہمی مشاورت و مباحثے میں غایت درجے کی کوشش کرتے ہوئے کسی ایسے مسئلے میں شرعی عملی حکم پر اتفاق کر لینا ہے کہ جس میں 'قطعی الثبوت' اور 'قطعی الدلالۃ' نص وارد نہ ہوئی ہو۔"

اس تعریف میں بھی مجتہدین کے اتفاق اور ان کی اکثریت کی قیود اضافی ہیں۔ اسی طرح فقہی اکیڈمی یا ادارے کے تحت ہی اجتماعی اجتہاد کی شرط بھی ایک اضافی وصف ہے۔

ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید لکھتے ہیں :

"عبارة: (في نطاق مجمع أو هيئة أو مؤسسة) فهذا القيد ليس شرطاً في انعقاد الاجتهاد الجماعي وصحته وعليه فلو اجتمع جمع من الفقهاء غير المنتسبين لمجمع أو هيئة أو مؤسسة لصدق على اجتماعهم واجتهادهم أنه اجتهاد جماعي." [2]

"کسی فقہی اکیڈمی، انجمن یا شرعی ادارے کے تحت کے الفاظ، اجتماعی اجتہاد کے انعقاد یا اس کی صحت کے لیے کسی شرط کی حیثیت نہیں رکھتے۔ اسی لیے اگر کسی اکیڈمی، انجمن یا ادارے سے غیر منسوب فقہاء کی ایک جماعت جمع ہو تو ان کے اس اجتماع اور اجتہاد کو بھی اجتماعی اجتہاد ہی کہیں گے۔"

علاوہ ازیں اس تعریف میں مترادفات کی کثرت ہے مثلاً ایک ہی معنیٰ ادا کرنے کے لیے مجمع، هيئة اور مؤسسة کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ کسی اصطلاحی تعریف میں ایجاز کا پہلو مد نظر رہنا چاہیے، کیونکہ مختصر الفاظ میں کسی تصور کی جمیع بنیادی جہات کو جمع کر دینا ہی تعریف کا اصل جوہر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس تعریف میں امیر المؤمنین اور اسلامی ریاست کی قیود بھی اضافی اوصاف ہیں۔

ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید لکھتے ہیں :

---

[1] الاجتهاد الجماعي وأهميته في نوازل العصر: ص14

[2] أيضاً: ص15

"عبارة (ينظمها ولي الأمر في دولة إسلامية) هذان القيدان محل نظر إذ ليس تنظيم ولي الأمر شرطاً في تحقق الاجتهاد الجماعي من حيث المصدق أما من حيث الإلزام فذاك شأن آخر وهو خارج عن ماهية الاجتهاد الجماعي وحقيقته وكذلك الأمر بالنسبة لاشتراط كون الاجتهاد الجماعي في دولة إسلامية فهو غير مسلم إذ لو اجتمع الفقهاء في دولة غير إسلامية أو دولة ذات أقلية مسلمة لصح وصدق على ذلك أنه اجتهاد جماعي."[1]

"اسلامی ریاست اور امیر المؤمنین کی زیر سرپرستی کی قیود بھی محل نظر ہیں، کیونکہ تصدیق کے پہلو سے اجتماعی اجتہاد کے ثبوت کے لیے امیر المؤمنین کے انتظام کی شرط لگانا درست نہیں ہے۔ جہاں تک اجتماعی اجتہاد کی تنفیذ کا معاملہ ہے تو اس میں یہ شرط لگائی جاسکتی ہے، لیکن اجتماعی اجتہاد کی تنفیذ اس کی ماہیت و حقیقت سے خارج کی بحث ہے۔ اسی طرح اجتماعی اجتہاد کی نسبت یہ کہنا کہ وہ کسی اسلامی مملکت میں ہی ہو تو اجتماعی اجتہاد ہے، درست نہیں ہے۔ اگر کسی غیر اسلامی یا مسلم اقلیت والی ریاست میں بھی علماء اجتماعی اجتہاد کرتے ہیں تو وہ صحیح ہو گا اور اس پر اجتماعی اجتہاد کے لفظ کا اطلاق درست ہو گا۔"

'قطعی الثبوت' اور 'قطعی الدلالۃ' نص وارد نہ ہونے کی شرط لگانا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اجتہاد کی تین قسمیں ہیں۔ 'تخریج المناط'، 'تنقیح المناط' اور 'تحقیق المناط'۔ یہ شرط لگانے سے اجتہاد صرف تیسری قسم کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے۔ اجتہاد کی پہلی دو قسمیں حکم شرعی سے علت نکالنے کے باب میں ہیں جبکہ آخری قسم اس علت کو کسی دوسری شئے میں ثابت کرنے کے بارے میں ہے۔ پس علت کا نکالنا اور اس کا اثبات یہ دونوں ہی اجتہاد کی قسمیں ہیں اور علت تو 'قطعی الثبوت' اور 'قطعی الدلالۃ' نصوص سے بھی نکالی جاتی ہے۔

ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"عبارة: (لم يرد به نص قطعي الثبوت أو الدلالة) هذا الوصف محل نظر إذ أنه يستلزم اخراج الاجتهاد في تحقيق المناط وهو ضرب من أضرب الاجتهاد المعتبرة."[2]

"'قطعی الثبوت' اور 'قطعی الدلالۃ' نص وارد نہ ہونے کی شرط لگا دینا محل نظر ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ پھر یہ اجتماعی اجتہاد صرف 'تحقیق مناط' ہی کے میدان میں ہو گا اور یہ اجتہاد کی قسموں میں سے ایک قسم ہے نہ کہ کل اجتہاد۔"

ساتویں تعریف

ڈاکٹر محمد مصطفی قطب سانو حفظہ اللہ نے اجتماعی اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

[1] الاجتهاد الجماعي وأهميته في نوازل العصر: ص 15

[2] أيضاً: ص14

"بذل الوسع العلمی المنهجی المنضبط، الذی یقوم به مجموع الأفراد الحائزین علی رتبة الاجتهاد، في عصر من العصور، من أجل الوصول إلى مراد الله في قضية ذات طابع عام تمس حياة أهل قطر أو إقليم أو عموم الأمة، أو من أجل التوصيل إلى حسن تنزيل لمراد الله في تلك القضية ذات الطابع العام على واقع المجتمعات والأقاليم والأمة."[1]

"کسی بھی زمانے میں کسی ایسے مسئلے میں، جو عمومی نوعیت کا ہو اور کسی علاقے، ریاست یا ساری امت سے متعلق ہو، اللہ کی مراد و منشا تک پہنچنے کے لیے، افراد کی ایک ایسی جماعت، جو درجہ اجتہاد پر فائز ہو چکی ہو، کا خاص منہج کے مطابق علمی اور منضبط کوششیں صرف کرنا، اجتماعی اجتہاد ہے۔"

اس تعریف پر یہ اشکال وارد کیا گیا ہے کہ اس میں اللہ کی مراد تک پہنچنے کے الفاظ درست نہیں ہیں کیونکہ اجتہاد میں بعض اوقات مجتہد، اللہ کی مراد تک پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات نہیں پہنچ پاتا۔ علاوہ ازیں مجتہد کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہوتا کہ وہ قطعی طور پر یہ معلوم کر سکے کہ اس مسئلے میں اس نے اللہ کی مراد پالی ہے۔

ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید لکھتے ہیں:

"عبارة: (الوصول إلى مراد الله) هذا الوصف محل نظر إذ مايتوصل إليه المجتهدون هو رأيهم، وإن كان معتبراً إلا أننا لا نجزم بأنه هو مراد الله."[2]

"اللہ کی مراد تک پہنچنے کے الفاظ کی قید محل نظر ہے، کیونکہ جس تک مجتہدین پہنچتے ہیں وہ ان کی رائے ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ رائے معتبر ہوتی ہے، لیکن اس کے بارے میں ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہتے کہ یہی اللہ کی مراد ہے۔"

اس تعریف پر ایک اعتراض یہ بھی وارد کیا گیا ہے کہ اس میں اختصار و ایجاز نہیں ہے۔ عبارت کو خواہ مخواہ طول دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید لکھتے ہیں:

"قوله في التعريف (مجموعة الأفراد الحائزين على رتبة الاجتهاد) إذ يغنى عن ذلك قول (المجتهد) أو (المجتهدين)."[3]

"افراد کی ایک ایسی جماعت جو درجہ اجتہاد پر فائز ہو، کے الفاظ کی جگہ مجتہد یا مجتہدین کی ایک جماعت کے الفاظ کفایت کرتے تھے۔"

آٹھویں تعریف

ڈاکٹر خالد حسین الخالد اجتماعی اجتہاد کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1. نصر محمود الكرنز، الاجتهاد الجماعي وتطبيقاته المعاصرة: ص36، الجامعة الإسلامية، غزة
2. الاجتهاد الجماعي وأهميته في نوازل العصر: ص16
3. أيضاً: ص16

”بعد أن أنعمت النظر في مزايا التعريفات السابقة وفي عيوبها، اقترح التعريف الآتي للاجتهاد الجماعي، الذى أرى أنه تعريف جامع مانع، فأقول: هو بذل فئة من الفقهاء المسلمين العدول جهودهم، في البحث وا لنظر على وفق منهج علمى أصولي، ثم التشاور بينهم في مجلس خاص، لاستنباط أو استخلاص حكم شرعى، لمسألة شرعية ظنية.ثم اختصر هذا التعريف بالاكتفاء بالقيود دون الضوابط وعليه، يصبح حد الاجتهاد الجماعى هو، بذل فئة من الفقهاء جهودهم، في البحث والتشاور لاستنباط حكم شرعي، لمسألة ظنية.“[1]

”اجتماعی اجتہاد کی سابقہ تعریفوں کی خصوصیات اور عیوب پر گہری نظر ڈالنے کے بعد میں اجتماعی اجتہاد کی ایک ایسی تعریف پیش کرتا ہوں جو میرے خیال میں جامع مانع تعریف ہے۔ پس میں یہ کہتا ہوں: اجتماعی اجتہاد سے مراد عادل و مسلمان فقہاء کی ایک جماعت کا علم اصول فقہ کے منہج کے مطابق غور و فکر کرتے ہوئے اپنی کوششیں صرف کرنا پھر کسی خاص مجلس میں باہم مشورہ کرنا تاکہ کسی شرعی ظنی مسئلے کا حکم شرعی دریافت یا مستنبط کیا جا سکے۔ پھر اسی تعریف کو اس طرح مختصر کیا گیا ہے کہ اس کی قیود تو بیان ہو جائیں لیکن ضوابط بیان نہ ہوں۔ پس اس اختصار کے ساتھ اجتماعی اجتہاد کی تعریف یوں ہو گی: فقہاء کی ایک جماعت کا کسی ظنی مسئلے سے متعلق حکم شرعی دریافت کرنے کے لیے تحقیق و باہمی مشاورت میں اپنی کوششیں صرف کرنا۔“

اس تعریف پر یہ اعتراض وارد کیا جا سکتا ہے کہ اس میں شرعی احکام کے استنباط کا تذکرہ تو ہے لیکن ان کی تطبیق کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ دونوں ہی اجتہاد ہیں۔

نویں تعریف

شیخ نصر محمود الکرنز اجتماعی اجتہاد کی تعاریف کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بعد أن أنعمت النظر في مزايا التعريفات السابقة وفي عيوبها، وبعد استفادتي من تعريفى سانو والخالد، أصل إلى التعريف المختار الذى أرتضيه للاجتهاد الجماعى الذى يتناسب مع التعريف الذى اخترته للاجتهاد العام أوالفردى فيصبح التعريف المقترح هو: بذل فئة جهودهم في البحث والتشاور على وفق منهج علمي أصولي لتحصيل استنباط أوتطبيق حكم شرعى عقلياً كان أونقلياً قطعياًكان أو ظنياً.“[2]

”اجتماعی اجتہاد کی سابقہ تعریفوں کی خصوصیات اور عیوب پر غور کرنے اور ڈاکٹر خالد اور محمد قطب سانو کی تعریفوں سے استفادے کے بعد میں اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ اجتماعی اجتہاد کی وہ تعریف جسے میں پسند کرتا ہوں اور بطور تجویز پیش کرتا ہوں اور وہ انفرادی اجتہاد کی اس تعریف سے بھی قریب تر ہے، جس کا میں تذکرہ

[1] الاجتهاد الجماعى وتطبيقاته المعاصرة: ص 37
[2] أيضاً: ص37

کر چکا ہوں یہ ہو گی کہ فقہاء کی ایک جماعت کا 'علم اصول فقہ' کے منہج کے مطابق اپنی کوششوں کو تحقیق و باہمی مشاورت میں صَرف کرنا تاکہ کوئی شرعی حکم مستنبط کیا جا سکے یا اس کی تطبیق ہو، چاہے وہ شرعی حکم عقلی ہو یا نقلی، قطعی ہو یا ظنی۔"

یہ ایک جامع تعریف ہے، لیکن اس میں فقہاء یا مجتہدین کا لفظ شامل نہیں کیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں اگر وہ شامل کر لیا جاتا تو بہتر تھا۔

دسویں تعریف

ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید اجتماعی اجتہاد کی مختلف تعریفوں پر نقد کرنے کے بعد ایک ممکنہ تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعد استعراض ما أورده بعض العلماء المعاصرين الأفاضل من تعريفات للاجتهاد الجماعی أخلص إلى التعريف الذي يبدو أقرب إلى بيان حقيقة الاجتهاد الجماعی وعليه فيمكن القول: إن الاجتهاد الجماعی هو: بذل جمع من الفقهاء وسعهم مجتمعين لتحصيل حكم شرعی."[1]

"معاصر فاضل علماء نے اجتماعی اجتہاد کی جو تعریفیں بیان کی ہیں، ان کو نقل کرنے کے بعد میں اجتماعی اجتہاد کی ایک ایسی تعریف بیان کروں گا جو میرے خیال میں اجتماعی اجتہاد کے تصور و حقیقت کو بخوبی واضح کر رہی ہے۔ پس اس تعریف کے مطابق اجتماعی اجتہاد سے مراد فقہاء کی ایک جماعت کا کسی حکم شرعی کی تحصیل کے لیے اجتماعی طور پر اپنی کوششیں صرف کرنا ہے۔"

اجتماعی اجتہاد کی یہ آخری اور دسویں تعریف سب سے جامع تعریف معلوم ہوتی ہے کہ جس میں اختصار بھی ہے۔ لیکن اس تعریف میں اگر تحصیل حکم کے ساتھ تطبیق حکم کا لفظ بھی شامل کر دیا جاتا تو یہ جامع مانع بن جاتی یعنی عبارت یوں ہوتی: "بذل جمع من الفقهاء وسعهم مجتمعين لتحصيل أو تطبيق حكم شرعی."

ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید اس تعریف کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"1-إن الاجتهاد الجماعي يحصل بأی عدد يصدق عليه أنه جمع أو جماعة ... وكلما كثر العدد كانت الفائدة أعظم وحصول الاطمئنان أكبر. 2-أن يكون هؤلاء المجتهدون مجتمعين حين الاجتهاد وهو ما يعبر عنه البعض ب (التشاور) وانسجاماً مع طبيعة هذا العصر وآلياته فيقصد بالاجتماع ما كان حقيقة في مكان واحد وما كان حكماً كالاتصال عبر الهاتف أو الدوائر التلفزيونية أوشبكة المعلومات أو غيرها من وسائل الاتصال والتواصل مما يتحقق معه الاجتماع.

3-يهدف الاجتماع إلى تحصيل حكم شرعی سواء كان ذلك متعلقاً بقضية عامة أو خاصة ولا يشترط أن يتم ذلك من خلال هيئة أو مجمع، كما لايشترط فيه أن يكون ذا صفة رسمية وإن كان

[1] الاجتهاد الجماعی وأهميته في نوازل العصر: ص16

توافر هذه الأوصاف حسناً غير أنه ليس شرطاً في حقيقه الاجتهاد الجماعى. 4-إن واقع الاجتهاد الجماعى المعاصر من خلال المجامع المفقهية وهيئات الإفتاء وما شابه ذلك يشهد بأن هذا الاجتهاد لا يقتصر على الأحكام والمسائل الفقهية وإنما يتجاوز ذلك إلى بعض القضايا والوقائع غير الفقهية كمسائل العقائد وأصول الدين من مثل الحكم على بعض الفرق كالقاديانية والبهائية." [1]

"1۔اجتماعی اجتہاد علماء کی ہر اس تعداد سے حاصل ہو جاتا ہے، جس پر جماعت یا مجمع کا اطلاق ہو تا ہو... لیکن جس قدر تعداد زیادہ ہو گی، اجتماعی اجتہاد کا فائدہ اور اطمینان بھی اس قدر بڑھ کر ہو گا۔2۔یہ مجتہدین، اجتہاد کے وقت مجتمع ہوں، جسے بعض محققین باہمی مشاورت کا نام دیتے ہیں۔ عصر حاضر کے مزاج کے ساتھ یکسانیت اور اس کے وسائل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجتماع کا معنی طے کیا جائے گا یعنی کسی ایک جگہ میں مجتہدین کا حقیقی اجتماع ہو یا حکمی ہو جیسا کہ ٹیلی فون، ٹیلی فونک ذرائع یا انٹر نیٹ وغیرہ جیسے وسائل ربط و تعلق کے ذریعہ باہمی ملاپ اور اجتماع کو ممکن بنایا جائے۔3۔ مجتہدین کے اجتماع کا بنیادی ہدف و مقصود کسی بھی شرعی حکم کی تلاش ہو، چاہے وہ کوئی خاص مسئلہ ہو یا عمومی نوعیت کا ہو۔ یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ اجتہاد کسی ادارے یا اکیڈمی کے تحت ہی منعقد ہو جیسا کہ اس میں یہ بھی شرط نہیں ہے کہ اس کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو۔ اگرچہ ان اوصاف کا پایا جانا ایک اچھی علامت ہے، لیکن اجتماعی اجتہاد کی بنیادی شرائط میں سے نہیں ہے۔4۔ معاصر فقہی اکیڈمیوں اور اجماعی افتاء کے اداروں میں واقع شدہ اجتماعی اجتہاد کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اجتہاد صرف احکام شرعیہ اور فقہی مسائل میں محصور نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بعض غیر فقہی مسائل مثلاً عقائد اور اصول دین کے مسائل میں بھی ہوتا ہے، جیسا کہ قادیانیوں یا بہائیہ کے بعض فرقوں پر شرعی حکم لاگو کرنا۔"

خلاصہ بحث

اجتماعی اجتہاد کی جتنی بھی تعریفات بیان کی گئی ہیں، ان میں ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ بن حمید کی بیان کردہ تعریف، جامع ترین تعریف معلوم ہوتی ہے۔ یہ تعریف جامع ہونے کے ساتھ مختصر بھی ہے۔ اس تعریف کے الفاظ یہ ہیں: "بذل جمع من الفقهاء وسعهم مجتمعين لتحصيل حكم شرعي"۔ یعنی اجتماعی اجتہاد سے مراد فقہاء کی ایک جماعت کا کسی حکم شرعی کی تحصیل کے لیے اجتماعی طور پر اپنی کوششیں صرف کرنا ہے۔ لیکن اس تعریف میں اگر تحصیل حکم کے ساتھ تطبیق حکم کا لفظ بھی شامل کر دیا جائے تو یہ جامع مانع بن جاتی ہے۔ پس عبارت اگر یوں ہو: "بذل جمع من الفقهاء وسعهم مجتمعين لتحصيل أو تطبيق حكم شرعي" یعنی اجتماعی اجتہاد سے مراد فقہاء کی ایک جماعت کا کسی حکم شرعی کی تحصیل یا اس کی تطبیق کے لیے اجتماعی طور پر اپنی کوششیں صرف کرنا ہے، تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

[1] الاجتهاد الجماعى وأهميته في نوازل العصر: ص16-17